سورۃ الفاتح کی تفصیلی تشریح

انشاءاللہ۔اس تشریح کو آپ بالکل منفرد اور ایک نئے انداز کی پائیں گے جو کہ نا صرف نماز میں خشوع لانے میں مدد کرے گی بلکہ اللہ سے قرب لانے میں بھی مدد کرے گی۔

تشریح سے پہلے چند باتیں اس سورہ فاتح کے بارے میں سمجھ لینا ضروری ہے۔

☆ یہ سب سے پہلی مکمل سورت حضور ﷺ پر نازل ہوئی۔

☆ اللہ نے خود قرآن میں اِسکی خصوصیات اور اہمیت کا ذکر کیا ہے۔

فرما الٰہی ہے کہ "ہم نے آپ کو سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار دہرائی جانے کے لائق ہیں اور تمھیں قرآنِ عظیم عطا کیا" 15/87

☆ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سورہ فاتح ایسی سورت ہے جو مجھکو عطا کی گئی جسکی کوئی مثال کسی اور آسمانی صحیفے میں نہیں ملتی (بخاری)

☆ اس سورت کے کئے نام ہیں مثلاً اُم الکتاب (کتاب کی ماں) الفاتح (شروع) یہ قرآن کی بنیاد اور قرآن کا لازمی جز ہے۔ اِسکی تلاوت ہر نماز کی رکعت میں لازمی ہے۔

☆ یہ ایک دُعا ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ کا کلام کا کُھلے دل سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سورت قرآن کے بالکل آغاز میں رکھی گئی ہے تا کہ قرآن پڑھنے والے کو یہ سبق دے دیا جائے کہ اگر وہ واقعی قرآن سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے رب العلیمین سے یہ دُعا کرے۔سورہ فاتح یہ سکھاتی ہے۔انسان کی سب سے اہم ترین دُعا اللہ سے یہ ہے کہ اُسے صراطِ مستقیم (سیدی راہ) کی طرف رہنمائی کرے۔اور قرآن کا مطالعہ اس کھلے ذہن کے ساتھ کرے کہ وہ حق کا طلبگار رہے اور تمام علوم کا سر چشمہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔اس لئے ہر ایک قرآن کا مطالعہ اسِ دُعا سے کرے اور اللہ سے ہدایت کی طلب کرے۔

☆ یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ صحیح رشتہ سورہ فاتح اور قرآن کا کوئی تعارف جیسا نہیں ہے بلکہ ایک دُعا اور اسکا جواب جیسا ہے۔ سورہ فاتح ایک غلام بندے کی طرف سے دُعا ہے اور اسکا جواب باقی پورا قرآن ہے۔ انسان اللہ سے دُعا کرتا ہے "مجھے سیدھا راستہ دکھا"۔ اللہ جواب میں پورا قرآن رکھ دیتا ہے۔ کہ تو نے ہدایت کی دُعا مانگی لے یہ ہدایت ہے جسکا تو طلبگار ہے۔

☆ یہ سورت 7 آیات پر مشتمل ہے اور تین حِصُوں مین واضح طور پر تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا حصّہ خالصتاً اللہ کے لئے ہے۔ دوسرا حصّہ اللہ اور اُسکے بندوں کے درمیان مشترک ہے اور تیسرا حصّہ خالِصتاً ہم غلاموں کے لئے ہے۔

☆ ایک حدیث قُدسی میں ہمارے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس دُعا کو اپنے اور اپنے غلاموں کے درمیان برابری سے دو حِصّوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میرے غلام کو وہ عطا کیا جائے گا جو وہ طلب کرے گا۔ چنانچہ جب میرا بندہ کہتا ہے "تمام تعریفیں اور شکر اللہ کے لئے جو کہ تمام اقوام کا آقا ہے" تو اللہ کہتا ہے کہ میرے غلام نے میری حمد کی (میرا شکر یہ ادا کیا)۔ جب وہ کہتا ہے "وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ابھی بھی ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا"

تو اللہ کہتا ہے میرے غلام نے میری مداح سرائی کی۔ جب غلام کہتا ہے " کہ تو آقا ہے حساب کتاب کے دن کا" تو اللہ کہتا ہے میرے غلام نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی۔ یہ پہلا حصّہ کُل کا کُل اللہ کے لئے ہے۔

جب بندہ کہتا ہے " کہ ہم نے اپنے آپ کو کُلیّ اور آزادنا طور پر تیری غلامی اور بندگی عبادت میں دے دیا ہے اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اُن چیزوں میں جسمیں ہم محتاجگی میں مبتلا ہیں" تو اللہ کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میں اپنے بندے کو بخشا جو اس نے مانگا۔

جب بندہ کہتا ہے "مجھے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کر۔ وہ راہ جسپر تم نے اپنے پچھلے بندوں پر انعامو اکرام کیا۔ ان لوگوں پر نہیں جو معتوب اور غضب کے مستحق ہوئے اور نہ ہی وہ جو سیدھی راہ سے گُم ہو گئے" اللہ کہتا ہے یہ سارے کا سارا میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو اس نے مانگا۔

مفصل ترجمہ تشریح اور تفسیر ہر ایک آیات کی

آیت نمبرا: الحَمدُللّٰہ ربِّ العلمین

ترجمہ: تمام تعاریفیں اور شُکر اللہ کے لئے جو تمام اقوام کا ربّ ہے۔

تشریح: تمام تعریف اور شُکر تہہ دِل سے۔ حقیقی اور انتہا درجہ کا ہونا چاہیئے۔ یہ تعریف اور شکر کُلّی طور پر کسی مخلوق کا مُحتاج نہیں ہے۔ اللہ کی اگر ساری کی ساری مخلوق اسکی تعریف اور شکر کرے یا نہ کرے اُسکی تعریف اور شکر اپنے آپ ہوتا رہے گا۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تعریف اور شکر میں کیا فرق ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اگر کسی کی تعریف کریں تو اسکا شکر بھی ادا کریں یا کسی کا شکر ادا کریں تو ضرور تعریف بھی کریں۔ مثلاً آپ اچھی کار دیکھیں گے تو اُسکی تعریف کریں گے لیکن اسکا شکریہ ادا نہیں کریں گے۔ اسی طرح آپ بعض انسانوں کا شکریہ ادا کریں گے لیکن ضروری نہیں کہ اُنکی تعریف بھی کریں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کا شکریہ ادا کیا کیونکہ بہر حال وہ انکے باپ تھے انکو پالا پوسا۔ لیکن وہ اُنکی تعریف نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ نہ صرف بتوں کو پوجتے تھے بلکہ بت بیچتے بھی تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ جب اللہ کے حُکم سے فرعون کے پاس گئے تو اُس نے اُن سے کہا کہ کیا تو بھول گیا ہے ہم نے بچپن میں تجھ کو اپنے محل میں پالا۔ تو موسیٰ نے جواب میں کہا کے بے شک میں اس معاملے میں تیرا شکر گزار ہوں۔ لیکن اُسکی وہ ثنا اور تعریف نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایک بدترین شخص تھا لیکن اللہ کی تعریف اور شکر بیک وقت ہر وقت موجود ہے اسلئے اللہ نے حمدَ کا لفظ استعمال کیا ہے جسمیں بیک وقت دونوں معنیٰ شامل ہیں اللہ ذاتی نام ہے لیکن جب وہ کہتا ہے ربّ العٰلمین تو ربّ کے عربی میں چھ ایک ساتھ معنیٰ ہیں یعنی المالک۔ السیّد۔ المُربّی۔ المَرشِد۔ القیّم اور المُنعمَ یعنی وہ مختارِ کُل مالک ہے۔ وہ ہر شہ کی دیکھ بھال کرنے والا ہے اور اسکو پروان چڑھانے والا۔ اسکو راہ دیکھانے والا۔ ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور عطیے عطا کرنا والا۔ رب کے اندر یہ ساری باتیں موجود ہیں۔ یعنی جب وہ کہتا ہے کہ وہ تمام عالمین کا رب ہے تو وہ تمام عالم کے انسانوں کو یہ تمام چیزیں اپنی ان صفات سے عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے اللہ اپنے ذاتی نام کے لئے " اللہ " استعمال کرتا ہے۔ لیکن مخلوق سے خطاب کے وقت وہ زیادہ تر لفظ رب استعمال کرتا ہے جیسے جب

سب سے پہلے حضرت موسیٰ پر کوہِ طُور پر ملاقات کی تو کہا "اے موسیٰ میں تیرا رب ہوں "اسی طرح جب حضورﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو کہا گیا" پڑھ اپنے ربّ کے نام سے "۔اسلئے جب آپ نماز میں سورہ فاتح پڑھیں تو ذہن میں ربّ کے تمام معنیٰ اپنے ذہن میں رکھیں۔ اس آیت میں عالّمین سے مراد ہے تمام اقوام کے انسان اور جن کیونکہ جب کافرین۔ مُسلمین یا عابدین قرآن میں آتا ہے تو مراد انسان ہی ہوتے ہیں اسطرح عالمین سے مراد بھی تمام انسانی مخلوق ہے اور دوسری وجہ اسی سے مراد انسان ہی ہیں کہ یہ دُعا اللہ اور اُسکے بندوں کے درمیان ہے۔اس لئے عالمین سے مراد تمام جہاں جسمیں آسمان۔ زمین۔ چاند۔ سورج وغیرہ لینا صیح نہیں ہے۔ ویسے تو اللہ سب کا رب ہے لیکن اس آیت میں مراد انسانوں کی مخلوق ہے چاہے وہ کسی نسل اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔

آیت نمبر۲: الرحمن الرحیم

ترجمہ: وہ بے انتہا درجے کا محبت۔رحم اور دیکھ بھال کرنے والا اسوقت بھی ہے اور مستقبل میں بھی رہیگا۔

تشریح: الرحمٰن کے عربی معنیٰ ہیں بے انتہا درجے کا رحم کرنے والا۔محبت کرنے والا اور نگہداشت کرنے والا اسی وقت ہے۔لیکن یہ عارضی ہے (کسی وقت وہ یہ واپس لے سکتا ہے)۔جسطرح عربی میں جوعان۔بطشان شدید بھوک اور پیاس کے لئے بولا جاتا ہے۔اسطرح رحمان بھی شدید رحم اور محبت کے لئے بولا گیا ہے۔الرحیم کا مطلب بھی محبت کرنے والا۔رحم کرنے والا اور دیکھ بھال کرنے والا ہے لیکن یہ شدید نہیں ہے اور مستقل ہے اور ضروری نہیں کہ اسی وقت ہو رہا ہو۔اسطرح اللہ کی صفات میں رحمان اور رحیم دونوں بیک وقت موجود ہیں۔ ہمارا ذہن اس کفیت کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔رحمان کیونکہ عارضی ہے یعنیٰ اللہ بھی اپنی حکمت یا انسانوں کی غلطی یا سزا کے طور پر اپنا رحم ہٹا لیتا ہے۔اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں بعض دفعہ انسان شدید تکلیف اور پریشانی میں ہوتا ہے اور سوال ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمانیت کہاں ہے۔لیکن اُسکی دوسری صفت رحیم ہے جو کہ مستقل ہے وہ کہاں گئی۔تو اسکا جواب حضرت ابن عباس نے بہترین یوں دیا ہے کہ رحمان کیونکہ عارضی ہے۔کسی وقت چھن بھی سکتا ہے تو وہ اس عارضی دُنیا کے لئے

ہے۔لیکن کیونکہ رحیم مستقل صفت ہےتو وہ مستقل (کبھی ختم نہ ہونے والی دُنیا) یعنیٰ آخرت کے لئے ہے اور وہ صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں ہر ایک مسلمان کافر۔منافق سب سے شدید محبت کرتا ہے اُنکو زندگی۔دولت۔رزق۔اولاد۔مال و دولت سب دیتا ہےاور کبھی چھین بھی لیتا ہے۔لیکن آخرت میں وہ رحیم یعنیٰ مستقل نعمتیں صرف ایمان لانے والوں کو عطا کرے گا۔اسلئے آپ کو اب رحمان اور رحیم کا فرق سمجھ گئے ہونگے۔

آیت نمبر۳: مالکِ یوم الدین

ترجمہ: بادشاہ اور مالک ہے حساب کتاب کے دن کا۔بادشاہ کے بجائے مِلک کا لفظ بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

تشریح: ماَ لک اور مُلک کا فرق سمجھ لیجئے۔مالک کا مطلب ہے آپ کی ملکیت میں کوئی چیز ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ اس پر پورا کنٹرول ہے۔مثلاً آپ مکان کے مالک ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُسکے اندر جو چاہئیں کریں۔آپ اس میں تبدیلی کریں تو گورنمنٹ سے اجازت لینی ہونگی۔اسطرح آپ کار کے مالک ہے لیکن آپ کو مکمل کنٹرول نہیں ہے کہ جسطرح چاہئیں چلائیں۔آپکو گورنمنٹ کے قانون کے مطابق رفتار اور دوسرے قوانین کا خیال رکھنا ہوگا۔لیکن جو مِلک یا بادشاہ ہوتا ہے اُسکو اپنی سر زمین پر مکمل کنٹرول اور اسکا حُکم چلتا ہے۔لیکن وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں جو کہ اُسکی مملکت میں ہیں اُنکا مالک نہیں ہوتا۔مثلاً لوگوں کے گھروں کے برتن کا مالک نہیں ہوتا۔لیکن اللہ بیک وقت مالک اور مِلک دونوں ہے حساب کتاب کے دن۔ ہر ایک انسان اُسکی عدالت میں اکیلا اکیلا آئے گا اور تمام کے تمام کُلی اختیارات اِسکے ہاتھ میں ہونگے اور اللہ مکمل انصاف اُس دن ہر انسان کو دے گا۔آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ نے یہ دُنیا انصاف کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے بنا ہی نہیں ہے۔اس دُنیا میں انصاف ممکن ہی نہیں ہے چاہے دُنیا کے کسی ملک میں یہ کہا جائے کے اسکا بہترین نظام انصاف ہے۔

مثال کے طور پر اگر ایک شخص کئی لوگوں کو بے گناہ قتل کرتا ہے تو آپ انصاف کا تقاضہ پورا کرنے

کے لئے اسکو سزائے موت دیں گے۔لیکن یہ تو ایک آدمی کے قتل کا بدلہ ہوا۔ باقی قتل کا کیا ہوگا۔اب اُسکو بار بار زندہ کر کے تو موت نہیں دے سکتے۔ یہ قدرت صرف اللہ کو قیامت کے دن حاصل ہے۔اسی طرح اگر ایک آدمی صرف ایک قتل بے گناہ کا کرتا ہے اور آپ اُسکو سزائے موت دے بھی دیتے ہیں تو کیا انصاف ہو گیا؟ نہیں اُسکے ماں باپ۔یتیم بچے۔ بیوی بھائی بہن کی زندگی بھر کی تکلیف اور اذیت کا ازالہ کون کرے گا۔اسلئے اس دُنیا میں یہ انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔اسکا صیح انصاف اللہ قیامت کے دن کرے گا۔اللہ کی اس صفت کو کہ وہ مالک یوم الدین ہے۔وہ لوگ سب سے زیادہ قدر کرتے ہیں اور کریں گے۔ جو اس دُنیا میں مظلوم اور بنی نوح انسانی میں اب تک ان گنت لوگ ظلم کا شکار رہے ہیں اور رہیں گے اور انکو انصاف نہیں ملا۔ ہر جابر اور طاقت ور نے اُن پر ظلم کیا اور حق مارا۔وہ اُس دن صیح مانوں میں اپنا حق حاصل کریں گے۔اُس دن نہ صرف اللہ مالک، ملِک ہوگا بلکہ وقت کا بھی کنٹرول اسکے ہاتھ میں ہوگا۔دُنیا میں بڑے سے بڑا بادشاہ ہر چیز پر کنٹرول رکھ سکتا ہے۔لیکن وقت (ٹائم) کو کوئی قید نہیں کرسکتا۔لیکن اللہ تعالیٰ اُس دن وقت کو کنٹرول کرے گا۔کیونکہ ہر انسان کا الگ الگ محسابہ ہوگا۔اسلئے قرآن کے مطابق قیامت کا دن 50,000 سال کے برابر ہوگا۔(سورۃ المعارج آیت نمبر 4)

نوٹ: پہلی تین آیات سورۃ فاتح سے آپکو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ یہ تین آیات سے اللہ تعالیٰ کا مکمل تعارف ہو جاتا ہے۔جب آپ تینوں آیات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ ہمارا ربّ ہے (ربّ کے تمام چھ معنیٰ ذہن میں رکھیں وہ رحمان اور رحیم ہے اور جزا اور سزا کے دن کا مالک اور بادشاہ ہے تو انسان خود بخود اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ دل سے یہ کہہ دے کے تمام تعریف۔ثناء اور شکر اللہ کے ہی لئے ہے۔

آیت نمبر 4: ایاک نعبد و ایاک نستعین

ترجمہ: ہم نے اپنے آپ کو کُلّی اور آزادنا طور پر تیری غلامی اور بندگی میں دے دیا ہے (حال ور مستقبل دونوں میں) اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اُن چیزوں میں جن میں ہم مُحتاجگی میں مبتلا ہیں۔ ابھی بھی اور مستقبل میں بھی۔

تشریح:　　یہ آیات ہم انسانوں کی طرف سے اپنے ربّ سے ایک قول وقراراور ایک معاہدہ و میثاق ہے۔ کہ ہم نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی غلامی میں دے دیا ہے۔ وہ ہمارا آقا اور اور ہم غلام ہیں۔ دن کے 24 گھنٹے ہماری یہ غلامی ہے۔ ایک لمحہ بھی ہم اس غلامی سے آزاد نہیں ہیں۔ صیح معنوں میں اگر دیکھا جائے تو اللہ کی غلامی میں اصل میں ہماری آزادی ہے۔ کیونکہ اس وقت انسان کہنے کو تو آزاد ہے لیکن شدید ترین غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔ مثلاً کچھ لوگ اپنے جسم کے غلام ہیں اُسکے جائز اور ناجائز ضروریات پوری کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ فیشن کے غلام ہیں۔ کچھ لوگ میوزک کے غلام ہیں۔ ہر نیا فیشن کرنا یا نیا میوزک کا ٹیپ خریدنا اُنکے لئے ضروری ہے۔ کچھ دُنیاوی بہکاوں یعنیٰ نئی گاڑی یا نئی فلم ضرور خریدنی یا دیکھنی ہے۔ کچھ لوگ سوسائٹی کے غلام ہیں۔ ہر جائز اور ناجائز چیز کرنی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اگر میں نے شادی میں یہ رسومات نہ کیں اور شاندار دعوت نہ کی۔ کچھ لوگ اپنی تہذیب اور ثقافت کے غلام ہیں۔ لیکن اگر ہم صرف اپنے آپ کو اللہ کی غلامی میں دے دیں تو ظاہر ہے کہ غلام صرف آقا کے حُکم پر عمل کرتا ہے تو ہماری تمام دُنیاوی اور انسانوں کی غلامی سے خود بخود نجات مل جائے گی۔ اسلئے انسان کی صیح اور مکمل آزادی اللہ کی غلامی میں ہے۔ کیونکہ انسان وہی کرے گا جسکا اللہ نے حکم دیا ہے اور پھر اُسکو کسی اور چیز کی پرواہ نہیں ہوگی کہ اُسکا نفس یا دوسرے لوگ کیا کہیں گے یا سوچیں گے۔

اس آیت میں ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ کونسی مدد۔ اِسکی کئی وجوہات ہیں۔

نمبر۱:　اللہ جانتا ہے کہ ہم کو کن چیزوں میں مدد چاہیے۔

نمبر۲:　مدد کی لسٹ بڑی لمبی ہے۔ ہر ایک چیز میں اُسکی مدد درکار ہے۔

نمبر۳:　ہم مایوس کن صورت حال سے دوچار ہیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ سب سے اہم مدد یہ چاہتیں ہیں کہ ہم کسطرح تیرے حقیقی غلام بن سکیں۔ اس اہم ذمہ داری کو نبھانے میں ہماری مدد فرما۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ جب ہم تیری ہی بندگی وعبادت کریں گے تو بندگی اور عبادت سے مراد صرف نماز۔ روزہ۔ حج۔ زاکوۃ　نہیں ہے بلکہ ہر کام احکامالٰہی کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ اسمیں حقوق العباد۔ حقوق اللہ۔ شریعت کی پابندی سب شامل ہے۔ جو شخص کسی کا عبد یعنی غلام ہوتا ہے وہ

اپنے آقا کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسکا کام آقا کا ہر حکم بجالانا ہے۔ اسمیں غلام کی مرضی نہیں ہوتی۔ اسکا کام صرف اور صرف بغیر چوں و چرا کے اپنے مالک کا حکم بجالانا ہے۔ اسلئے جب ہم نے اپنی بندگی کا عہد اللہ سے کرلیا تو صرف اور صرف اُسکی مرضی کا کام کرنا ہے۔ جسکا حکم دے کرنا ہے۔ جس سے منع کردے۔ رُک جانا ہے، کوئی انسان کسی بھی انسان کا غلام بننا پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے انسانی آقا سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن ہم خوشی سے اپنے آقا ربّ العلمین کا غلام بننا پسند کرتے ہیں۔

آیت نمبر۵: اھدن الصرات المستقیم

ترجمہ: ہماری رہنمائی اور ہدایت کر سیدھے راستے کی طرف جو اوپر جاتا ہے۔

تشریح: جہاں تک اللہ کو ماننے کا تعلق ہے۔ اُسکی وحدانیت۔ اُسکی تعریف اور شکر کا تعلق ہے تو ایک شریف النفس انسان اسکو تسلیم کرلے گا کیونکہ ہر انسان ایک فطرہ پر پیدا ہوتا ہے اور اللہ نے اُسکے شعور میں یہ بات ڈال رکھی ہوتی ہے لیکن جب ہم انے اپنے آپ کو اللہ کی غلامی میں دینے کا اقرار کرلیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کو غلام بنے کے لئے ہدایت چاہئیں تا کہ آقا کی غلامی نبھا سکیں۔ ان ہدایت کو ہم رہنمائی کہتے ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں۔ عربی میں سیدھے راستے کی رہنمائی میں۔ سیدھے راستہ دکھانا بتانا سمجھانا سب شامل ہے اسمیں یہ بھی شامل ہے کہ اس سیدھے راستے کی رہنمائی میں ہمارا دل اور دماغ بھی مکمل طور پر مطمین ہو۔ دُنیا کی سب سے بڑی دولت اگر کوئی انسان حاصل کرلیتا ہے تو وہ ہے اللہ کی طرف سے اُسکو سیدھے راستے کی رہنمائی۔ یہ رہنمائی صرف اور صرف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ کوئی دنیا کا انسان یہاں تک کے ہمارے پیارے نبی بھی کسی کو ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کی مشاء پر منحصر ہے کہ وہ کسکو ہدایت و رہنمائی عطا کرتا ہے۔ اگر یہ ہدایت دنیا کے انسانوں کے بس میں ہوتا تو ہمارے نبی سب سے پہلے اپنے چچا ابولہب کو ہدایت دیتے جو کہ انکا بدترین دشمن رہا۔ ہم لوگوں کو ہدایت کی طرف بلا سکتے ہیں لیکن ہدایت دے نہیں سکتے۔ یہ کُلی طور پر اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہم صرف لوگون کی ہدایت کی طرف حوصلہ افزائی کرسکتے لیکن ہدایت دے نہیں سکتے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ

ہدایت صرف اُنہی لوگوں کو دیتا ہے جو کہ ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ یہ طلب نہ صرف زبان سے ہو بلکہ دل سے بھی ہو۔اسی لئے ہر رکعت نماز میں ہم یہ دُعا کرتے ہیں بار بار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں سیدھے راستے کی رہنمائی یا ہدایت عطا فرما۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ ہم بار بار کیوں ہدایت طلب کرتے ہیں۔اسکا سیدھا جواب ہے کہ ایک بھوکا آدمی یا پیاسا آدمی بار بار کھانا یا پانی کیوں مانگتا ہے اور مانگتا رہے گا۔جب تک اسکی بھوک یا پیاس ختم نہیں ہو جاتی۔اسی طرح ہم بار بار ہدایت مانگتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ اللہ انسانوں کو بغیر مانگے بے انتہا چیزیں عطا کرتا ہے اُن لوگوں کو بھی جو اللہ پر ایمان بھی نہیں رکھتے۔مثلاً انکو آنکھ۔ناک۔کان۔جسم کے تمام اجزاء۔دُنیاوی دولت۔عزت۔اولاد۔صحت وغیرہ وغیرہ لیکن ہدایت صرف اُنہی کو دیتا ہے۔جو ہدایت کو مانگتے ہیں اور دل سے طلبگار ہوتے ہیں۔وہ کسی کو ہدایت مفت میں نہیں تقسیم کرتا ہے۔ یہ بھی اچھی طرح ذہن نشیں کر لیں کہ ہدایت کبھی مستقل اور مکمل نہیں ہوتی یہ ایمان کی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔اور کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسکو ہدایت مکمل طور پر مل گئی۔ ہمارے پیارے نبی بھی روزآنہ اللہ سے سیدھے راستے کی ہدایت طلب کرتے تھے۔

یہ بات بھی یاد کر لینی چاہئے کہ دُنیا کی کوئی بھی نعمت بغیر ہدایت کے بیکار ہے۔مثلاً اگر اللہ نے دولت دی لیکن ہدایت نہیں دی تو دولت کا غلط استعمال ہوگا۔اِسکی لاکھوں مثالیں ہمارے معاشرے میں ملتی ہیں۔اسی طرح اگر صحت ہے اور ہدایت نہیں ہے تو انکا غلط استعمال تباہی و بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ علم اور ہدایت میں کیا فرق ہے۔علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن یہ ہمارا مقصد نہیں ہے۔مقصد مکمل ہدایت ہے۔ہم چاہے قرآن کا بہت علم رکھتے ہوں۔ فقہہ کا علم رکھتے ہوں۔حافظ اور بہترین قاری ہوں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ساتھ ساتھ ہدایت پر بھی ہوں۔دُنیا میں بہت سے غیر مسلم ہم سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہیں۔حضور ﷺ پر کئی بہترین کتابیں لکھ چکے ہیں۔لیکن اللہ کی ہدایت نہ ملی تو پھر ایمان نہ لا سکے۔علم کو ہم اپنے پاس حاصل کر کے قائم رہ سکتے ہیں لیکن ہدایت کی کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ ملنے کے بعد ہمارے پاس موجود رہے گی اس لئے بار بار اللہ سے ہدایت

طلب کرنی پڑتی ہے۔ زیادہ علم ہونا بعض دفعہ اگر ہدایت اُسکے ساتھ نہ ہوتو انسان کوغرور میں مبتلا کردیتا ہے۔اسی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مسلمان ہدایت یافتہ بھی ہو۔اسلئے علم کا ہونا یا مسلمان کا ہونا۔اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ ہدایت بھی ساتھ ساتھ ہو۔

ابوجہل اورابولہب قرآن کوہم سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔وہ لوگ ذہین اورقریش کے لیڈر تھے۔قرآن انکی مادری زبان عربی میں نازل ہوا۔اُنکوقرآن کا پیغام اورسکھانے والابھی دُنیا کا بہترین استاد ہمارے پیارے نبی ﷺ تھے۔لیکن اُنکوعلم تھا لیکن ہدایت نہ تھی تو اُنکا کیا انجام ہوا۔ویسے تو ہم زندگی کے ہرشعبےاور ہر موڑ پراللہ کی ہدایت کےمحتاج ہیں انفرادی سطح پراوراجتمائی سطح پرلیکن 5 ایسے بڑے مسئلے پوری نوحِ انسانی میں ہیں جنکو انسان اس جدید دور میں بھی بغیراللہ کی ہدایت کہ حل نہیں کرسکتا۔

۱۔ مرداورعورت کے باہمی حقوق

۲۔ سرمایہ داراورمزدورکے باہمی حقوق

۳۔ ریاست اورعوام کی باہمی حقوق

۴۔ وراثت کی تقسیم

۵۔ انسان کااپنےجسم اورروح کے درمیان اندرونی کشمکش۔

یہ پانچوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں سے جسکوبھی موقع میسرآئے وہ فوراًاپناحق جھپٹ لےگااور دوسرے کاحق دبانے کی کوشش کرے گا۔یااپنی پسنداورناپسند سے یاطاقت کے بل بوتے پردوسرے کاحق مارنے کی کوشش کرے گا۔صرف اللہ ہی ایک ایسی ذات ہے جوایک دوسرے کوصیح حقوق دلواسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ نے ہی اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔وہ اسکی ضروریات۔طاقت وکمزوری سب سمجھتا ہے۔تو وہی اپنی ہدایت کے ذریعے سب کوانصاف دلاسکتا ہے۔مردناعورت کی اورناعورت مردکی ضروریات۔جذبات کو سمجھ سکتا ہے۔اسی طرح سرمایہ داراورمزدورایک دوسرے کی ضرورت کوسمجھ سکتے ہیں۔ریاست اپناحکم منوانا چاہتی ہے۔اگر زیادہ جبر کرے گی تو آمرِنا حکومت ہوگی۔عوام آزادی چاہتے ہیں۔زیادہ آزادی لاقانونیت کی طرف جائے گی۔اسی طرح ہماراجسم لذتّ آرام۔حرِص دولت۔وغیرہ کا طلبگار رہے۔روح

عبادت۔ پاکیز گی۔اور ضمیر کو جگانے والی ہے اور اسمیں باہمی کشمکش رہتی ہے۔ کیونکہ انسان کو اپنے جسم پر بھی حق ہے اور اپنی روح پر بھی تو یہ توازن رکھنے کے لئے صرف اللہ کی ہدایت ہی ضروری ہے۔

کیونکہ اللہ نے ہی تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہ علم والا ہے اسی لئے ان تمام مسائل کا حل وہ ہی ہدایت دے کر حل کراسکتا ہے۔آپ اب اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ ہم کو کیوں بار بار سیدھی راہ کی طرف ہدایت اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔اور اسی لئے اللہ نے ہم کو نماز میں ہر رکعت میں۔اھد نا الصراط المستقیم کو پڑھنا کیوں ضروری قرار دیا ہے۔

آیت نمبر۶: صراط الذین النعمت علیھم

ترجمہ: ان لوگوں کو راستہ۔ جنکا تو نے راستہ آسان کر دیا اور اپنے انعامات کی بارش کی۔

تشریح: جب ہم نے اللہ سے سیدھی راہ کے لئے ہدایت اور رہنمائی طلب کی تو ہم کو کچھ مثالیں چاہیں۔جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا۔ یاد رکھئے کہ یہ جملہ ماضی کا ہے۔یعنیٰ وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام کیا۔ وہ حال اور مستقبل کے لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ دُنیا سے جا چکے ہیں۔یعنیٰ ہماری مثالی شخصیات دُنیا سے جا چکی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم اللہ سے ہدایت طلب کر رہے اُن لوگوں جیسی جو دُنیا سے گزر گئے ہیں۔اُن لوگون جیسی نہیں جو آج کل زندہ ہیں یا آئندہ پیدا ہونگیں۔ وہ گزرے ہوئے کون لوگ ہیں جنکی ہم اللہ سے اُن جیسی ہدایت طلب کر رہے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کی بارش کی۔ وہ ہیں انبیاء۔ شہدا۔صدیقین۔صالحین۔جنہون نے سیدھے راستے کی ہدایت کے لئے جہد وجہد کی تو اللہ نے اُنکو اسکا صلہ بھی دیا۔

آیت نمبر۷: غیر المغصوب علیھم ولد الضالین

ترجمہ: اُن لوگوں کا نہیں جو غصّے اور غضّب کے مستحق ہوئے اور نہ وہ لوگ جو سیدھی راہ سے گُم ہو گئے۔

تشریح: یعنی اللہ ہم کو بتا رہا ہے کہ ہم اِن دو گرہوں سے بالکل دُور ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے کہ اللہ اُن سے اِتنا ناراض ہے کہ وہ اپنا نام تک اُن کے ساتھ مِلانے کے لئے تیار نہیں۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ جو میرے غصّے یا غضّب کے مستحق ہوئے بلکہ کہتا ہے کہ وہ غضب اور غصّے کے مستحق ہوئے۔ اُسکی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اُن لوگوں پر نہ صرف اللہ کا عتاب اور غضب پہنچا بلکہ جن لوگوں کو جانتے بوجھتے اِنھوں نے گمراہ کیا اُن لوگوں کا غصّہ بھی اُنپر اتارا جائے گا۔ یہ گروپ ان لوگوں کا ہے اُنکو حق کا پورا علم تھا۔لیکن جان بوجھ کر حق کو جھٹلایا اور اپنے پیروکاروں کو بھی جانتے بوجھتے گمراہ کیا۔ دوسرا گروپ اُن لوگوں کا ہے جو کہ گُم گئے۔ یعنی اُنہوں نے حق بات معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اپنی آرزوں اور خواہشوں پر چل نکلے۔ یادرکھیں عربی میں یہ جملہ اِسم ہے یعنیٰ وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔مطلب یہ کہ یہ دو گروپ پہلے بھی تھے۔ آج بھی ہیں اور آئندہ مستقبل میں بھی رہیں گے۔اسلئے ہم ان دونوں گرہوں سے اللہ کی مدد چاہتے ہیں کہ ہم کسی ایک گروپ سے بھی نہ ہوں۔

ہمارے نبی نے صحابہ کے پوچھنے پر کیس سٹڈی (Case Study) کے طور پر ان دو گروپوں کی مثال یہود و نصریٰ سے دی ہے جس کا ذکر خاص طور پر قرآن میں ذکر ہوا ہے۔ یہودیوں کو پورا علم تھا کہ قرآن اور محمدﷺ حق ہیں کیونکہ اُنکی کتابوں اور اُنکے نبیوں نے اُنکو بتا دیا تھا کہ آخری نبی اور آخری کتاب آئے گی اور اُسکو ان لوگوں نے تسلیم کرنا ہے۔لیکن پھر بھی انہوں نے جانتے بوجھتے اس حق کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے پیروکاروں سے بھی چھپایا (نوٹ: اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ محمدﷺ کو اسطرح پہنچانتے ہیں جسطرح اپنے بیٹوں کو)۔دوسری طرف نصارٰی نے کبھی کوشش نہیں کی کہ حق کو پہنچانے کی بلکہ اپنے خیال، دُھن یا من کی موج میں یا محبت میں آکر عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔اور سیدھے راستے سے گُم ہو گئے۔ ہمارے نبی نے یہ مثال سمجھانے کے لئے اُن یہود اور نصریٰ کی دی ہے جنکے رویہ کا قرآن میں ذکر ہے وہ ہر ایک یہود یا نصاریٰ کا ذکر نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسکا مقصد ہر وہ شخص ہے یا تھا یا ہوگا جو حق سمجھنے کے بعد اسکا انکار کرے یا حق جاننے کی کوشش ہی نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں **"مغظوب علیھم اور ولضالین"** کہہ کر انسان کے حیلے بہانے کو

مکمل طور پر ختم کر دیا ہے۔یعنی آپکے پاس علم اور حق آ گیا ہے اور آپ نے نا مانا تو آپ پکڑ ہو گی ۔اسطرح اگر آپکے پاس علم یا حق نہیں پہنچا تو یہ آپ کہہ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے کہ مجھے علم نہیں تھا۔ بلکہ اللہ نے آنکھ۔ناک۔کان۔دل۔دماغ سب عطا کیا ہے آپ نے حق جاننے کی کوشش کیوں نہ کی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ دُعا سکھا رہا ہے کہ اللہ ہمیں ان دونوں طرح کے لوگوں میں شامل نہ کرے۔

یہاں میں مثال آجکل کے حالات کے مطابق مغضوب اور ضالین کی دے رہا ہوں۔آجکل بہت سے لوگ اچھی طرح قرآن پڑھتے ہین اور دل سے بھی مانتے ہیں کہ اللہ کا کلام برحق ہے۔لیکن وراثت کے معاملے میں اللہ کے قانون کی نافرمانی کرتے ہیں۔تو "مغضوب" لوگوں میں شامل ہو گئے کہ حق ملنے کے بعد آپ نے جان بوجھ کر اُسکو جھٹلایا۔تو آپ نہ صرف اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے بلکہ جن لوگوں کا حقِ وراثت آپ نے مارا ہے وہ بھی دُنیا اور قیامت میں آپ پر غصہ اور غضب ناک ہونگے۔اسطرح اور بھی بہت سے مثالیں یہ ہے کہ مُردوں کی قرآن خوانی۔سوئم وغیرہ کی رسمیں صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ آباو اجداد کرتے چلے آئے ہیں بس اُنکی اندھی تقلید کر رہے ہیں۔یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ اللہ کے نبی یا صحابہ اکرام نے یہ سب کام کئے۔ایسے لوگ اُن لوگوں میں شمار ہونگے جو کھو گئے ہیں اُنکو سیدھی راہ کی سمجھ ہی نہیں ہے وہ بھی اللہ کے اگے یہ بہانا نہیں بنا سکتے کہ اُنکو علم نہیں تھا۔ اللہ سے دُعا ہے کہ ہمیں ان دونوں طرح کے لوگوں جیسا نہ بنائے۔آمین!

یہ سورت مکمل طور پر متوازن (Balance) ہے

ا۔ لفظ "حمد" اللہ کی ثناء اور شکر کو جمع کر دیتا ہے۔

۲۔ رحمٰن اور رحیم۔اللہ کے قیامت کے دن کے مالک ہونے کو متوازن کر دیتا ہے۔تاکہ لوگ اللہ کے رحم اور محبت سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں۔

۳۔ پہلی ۳ آیات اللہ کے لئے ہیں۔چوتھی ہمارے اور اللہ کے لئے ہے اور آخری ۳ آیات صرف ہمارے لئے ہیں۔ایک مکمل توازن۔

۴۔ عربی گرامر کے لحاظ سے پہلی تین آیات اسم ہیں جنکا مطلب وہ مُستقل صفت ہے اور یہ تینوں آیات

صرف اللہ کے متعلق ہیں اور اللہ بھی مستقل Permenent ہے۔ چوتھی آیات اسم اور فعل کا مجموعہ ہے کیونکہ اس آیت کا تعلق انسانوں اور اللہ دونوں سے ہے تو اسمِ مستقل کو ظاہر کرتا ہے اور فعل عارضی Temporary ہوتا ہے ۔ اسلئے اسمیں کیونکہ تعلق دونوں سے ہے تو اللہ مستقل ہے اور ہم انسان عارضی۔ آخری ۳ آیات فعل ہیں یعنیٰ عارضی ۔ اور یہ تینوں آیات انسان کے متعلق ہیں تو انسان بھی عارضی ہے۔ اسطرح عربی گرامر کے لحاظ سے مکمل ترین متوازن سورت ہے۔

۵۔ یہ سورت علم اور عمل کے لحاظ سے مکمل توازن ہے۔

پہلی ۳ آیات اللہ کے متعلق ہے اور وہ علم کے متعلق ہے کہ اللہ کون ہے اُسکی صفات کیا ہیں وغیرہ۔ چوتھی اور پانچویں آیات عمل کے متعلق ہے یعنیٰ تیرے غلام ہیں اور بندگی کریں گے اور ہدایت عطا فرما۔ چھٹی آیات۔علم اور عمل کا مجموعہ ہے یعنیٰ اللہ کے نیک بندے جن پر اللہ کا انعام ہوا انکے پاس علم بھی تھا اور عمل بھی تھا۔آخری آیات میں اُن لوگوں سے پناہ مانگتے ہیں جو غضب کے مستحق ہوئے یعنیٰ علم تھا لیکن عمل نہیں اور نہ ان لوگوں کی طرح ہو جائیں جو کہ گُم ہو گئے یعنیٰ عمل بغیر علم رہ گیا۔اسطرح یہ سورت علم اور عمل کے درمیان مکمل توازن رکھتی ہے۔

۶۔ قرآن کی پہلی سورت الفاتح ہے اور آخری سورت الناس ہے ۔ ذرا اسکا توازن Balance ملاحضہ فرمائیے۔

a) سورۃ فاتح شروع ہوتی ہے مثبت پہلو سے یعنیٰ الحمداللہ۔تمام تعریف اور شکر اللہ کے لئے۔
آخری سورت منفی پہلو سے شروع ہوتی ہے یعنیٰ اَعوذ و برب ِناس یعنیٰ اللہ سے پناہ مانگتا ہیں۔

b) پہلی سورت میں کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین (عالم کا رب) ہے۔آخری سورۃ میں کہتے ہیں رب الناس (لوگوں کا رب)

c) پہلی سورت میں کہتے ہیں مالک یوم الدین (بادشاہ ہے قیامت کے دن کا)
آخری سورت میں کہتے ہیں ملک الناس (بادشاہ ہے انسانوں کا)

d) پہلی سورت میں کہتے ہیں ایاک نعبدُ و(اپنی غلامی اور بندگی کا اقرار کرتے ہیں یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)

آخری سورت میں ہم کہتے ہیں الہٰ الناس (انسانوں کا رب یا معبوُد)

e) پہلی سورت میں ہم کہتے ہین کہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا اور اُن دو گروپ سے بچا (غیر مغصوبِ اور والصالین) جن پر غضب ہوا اور گُم ہو گئے۔

آخری سورت میں کہتے ہیں (من شِر الوسواسِ الغناس۔ الذی یوسوِسُ فی صُدورِ الناس۔ من الجنۃ والناس) یعنی ہمیں بچا اپنے اند کے شر سے اور دو گروپوں سے بُرے انسانوں اور بڑے جنوں سے، سبحان اللہ کیا توازن ہے قرآن کی سب سے پہلی سورت اور قرآن کی سب سے آخری سورت سے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کا کلام ہی ہوسکتا ہے۔ کوئی انسان اور جن ایسا توازن قائم ہی نہیں کرسکتا ے اپنے کسی کلام میں۔

اختتامی کلمات

یہ سورت اللہ تعالیٰ کے مکمل تعارف سے شروع ہوتی ہے جب ہم اُسکی طاقت ۔ اُسکی صفات اور انصاف کو سمجھ جاتے ہیں تم یہ بات خود بخود سمجھ آجاتی ہے کہ ہم کیوں نہ اسکی تعریف اور شکر کریں۔ مندرجہ بالا وجوہات کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو مکمل طور پر اُسکو اپنا آقا اور خود کو غلامی میں دے دیتے ہیں۔ ہم زندگی کے ہر چھوٹے بڑے مرحلے پر اُسکی ہدایت کے طلبگار ہوتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ ہم کو اُن لوگوں جیسا بنا جن پر تو نے اپنی رحمتیں اور انعام کیا اور اُن لوگوں جیسا نہ بنا جو غصّے اور غضب کے مستحق ہوئے اور نہ اُن جیسا جو سیدھی راہ سے گُم ہو گئے۔ اللہ اُس دُعا کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ ہے میرا ہدایت نامہ یعنیٰ قرآن۔

یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ پہلا جملہ قرآن میں سورہ فاتح کے بعد ہے " یہ وہ کتاب ہے جسمیں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے "۔ یعنیٰ ان لوگوں کے لئے جو کہ ہدایت مانگتے ہیں اور دل سے ہدایت کے طلبگار ہیں۔ یہ بھی دُعا ذہن میں رکھیں جو کہ اللہ نے ہم کو سکھائی ہے اُسکا تعلق بھی ہدایت سے ہے۔ سورۃ ال عمران ایت نمبر 8 میں اللہ فرماتے ہیں " اے ہمارے ربّ! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دِل ٹیڑھے نہ کردے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے"۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ کوئی ہدایت پا کر یہ سمجھ لے کہ بس اُسکو ہدایت مل گئی اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ بلکہ زندگی بھر بار بار اللہ سے ہدایت کا طلبگار رہے۔

نوٹ: جیسا کہ ہم اللہ سے بار بار ہدایت کے طلبگار رہیں لیکن یہ یاد رکھیں ان تین طرح کے لوگوں کو کبھی ہدایت نہ ملے گی۔ چاہے وہ زبان سے کتنی ہی بار ہدایت طلب کرتے رہیں۔

۱۔ جو اللہ کے شکر گزار نہیں ہیں۔

۲۔ جو اپنے آپ کو اللہ کی مکمل غلامی میں دینے کو تیار نہیں ہیں۔

۳۔ جن میں انصاف کا احساس بالکل نہ ہو یعنیٰ بالکل خود غرضی ہو۔ صرف اپنا مفاد ہر مسئلہ میں مقدم ہو۔

اللہ قرآن میں کم علم پر زور دیتا ہے لیکن زیادہ زور سوچنے اور تفکرّ پر دیتا ہے۔ علم بغیر سوچ سمجھے اور غور وفکر سے آزاد۔ کا کوئی فائدہ نہیں اللہ تعالیٰ قرآن میں اسکا ذکر اولوا الالب سے کرتا ہے۔

اسکی مثال اسطرح سمجھ لیجئے کہ ہم سب کو علم تو ہے کہ ہم اللہ کے غلام ہیں اور قیامت کے دن اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہوگا۔لیکن کبھی ہم نے غور اور فکر کیا کہ اسکے کیا معنیٰ ہے۔ کہ اللہ کی غلامی سے کیا مراد ہے اور اللہ کے یہاں جوابدہی سے کیا مراد ہے۔ جب تک ہم غور اور تدبر سے انکو سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔صرف علم کی حدتک محدود رکھیں گے تو ہماری حالت کبھی بھی نہ بدلے گی۔آخر میں سورۃ فاتح کا تفصیلی ترجمہ پھر پیش خدمت ہے تا کہ اُسکو بار بار پڑھتے رہیں تا کہ یہ ذہن میں اچھی طرح سما جائے اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ نماز میں جب یہ سورۃ پڑھیں گے یا امام کے پیچھے اسکو سنیں گے تو نماز میں خشوع پیدا ہوگا کہ آپ اللہ کی کسطرح تعریف کر رہے ہیں۔کیا عہد کر رہے ہیں اور کسطرح کی ہدایت طلب کر رہے ہیں۔

" تمام تعریف اور شُکر اللہ کے لئے ہے (ہم یا سارے انسان و جن اسکی تعریف نہ بھی کریں جب اُسکی حمد خود بخود ہوتی رہے گی) جو تمام اقوام کا ربّ (یعنیٰ مالک۔مختار کُل۔ ہر شہ کی دیکھ بھال کرنے والا۔ ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور عطیات عطا کرنے والا) ہے۔ وہ بے انتہا درجے کا محبت، رحم اور دیکھ بھال کرنے والا ہے۔اس وقت بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔(اس دُنیا میں وہ تمام انسانوں کے لئے رحمٰن ہے لیکن آخرت میں صرف ایمان والوں کے لئے رحیم ہوگا) بادشاہ اور مالک ہے حساب کتاب کے دن کا (اُس دن اُسکو مکمل کنٹرول ہوگا حساب کتاب کے لئے اور وقت کو بھی وہ کنٹرول کرے گا)۔ہم نے اپنے آپ کو کُلّی اور آزادانا طور پر تیری غلامی اور بندگی میں دے دیا ہے اور مستقبل میں بھی دے دیا ہے اور ہم ابھی اور مستقبل دونوں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہماری ہدایت اور رہنمائی کر سیدھے راستے کی طرف جو اوپر (یعنی جنت کی طرف لے جائے) جاتا ہے۔اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کی بارش کی (یعنیٰ انبیاء کرام،۔صدیقین۔شہداء۔صالحین وغیرہ) ان لوگوں کا نہیں جو غصّے اور غضبّ کے مستحق ہوئے نہ اُن لوگوں کا جو سیدھی راہ سے گُم ہو گئے۔

اللہ ہمیں اس سورۃ کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے اور ہدایت کا ہمیشہ ہمیشہ طالبگار بنائے۔آمین۔

نوٹ: اگر آپکو اس سورۃ کی تشریح اچھی لگے تو دوستوں۔گھر کے افراد اور دوسروں سے شیئرShare کیجئے۔اللہ کے قرآن کے پیغام کو آگے پھیلائیے۔